اُردو ریسرچ جرنل "تشکیل" جلد:3، شمارہ:2 (جولائی تا دسمبر 2025ء)
ISSN (Online): 3007-3294, ISSN (Print): 3007-3286, HEC Recognized Y-Category Journal

نعمان احمد
اسسٹنٹ پروفیسر (پی ایچ ڈی اُردو اسکالر)، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج، گوجرانوالہ

"مصر، خواب اور تعبیر" کا تجزیاتی و ادبی مطالعہ

Nauman Ahmad
Assistant Professor (Ph.D Urdu Scholar), Govt Graduate College, Gujranwala

An Analytical and Literary Study of "Misar, Khawab Aur Tabeer"

ABSTRACT
Dr. Zahid Munir Aamir holds his literary position as a renowned intellectual, critic, poet and teacher. He remaind the Head of Urdu and Pakistan Studies Chair (Masnid) for three years at Al-Azhar University in Cairo, Egypt. During this time, he performed many services related to Urdu literature, Pakistan Studies, Iqbal Studies and Islamic Studies. He wrote detailed history of Egypt in his remarkable book "Misr, Khawab Aur Tabeer". This article presents a detailed review on "Misr, Khawab Aur Tabeer" through a literary and historical analysis of the Egyptian culture and civilization, Situation of Urdu and Iqbal Studies in Egypt referenced in the book.

Keywords: *Dr. Zahid Munir Aamir, Misar, Khawab, Tabeer, Egypt, Islam, Iqbal Studies, Egyptology, Pakistan studies, travelogue, Al-Azhar University*

مصر دنیا کی قدیم، دلچسپ اور منفرد تاریخ رکھتا ہے، مصر تاریخ عالم کا وہ اِنکشاف انگیز باب ہے جو اپنے اندر حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے سحر انگیز واقعات، ابوالہول اور اہرام کے عجائبات، فاطمیوں، مملوکوں، ترکوں اور فرانسیسیوں کے آثار واَثرات ایسے سمیٹے ہوئے ہے کہ پڑھنے والا اِس سچ مچ کی تاریخ کو دیومالائی داستان سمجھ بیٹھتا ہے۔ مورخین کا خیال ہے کہ قدیم مصر کا آغاز دریائے نیل کے کنارے اُن کسانوں نے کیا جو کھیتی باڑی کرنے پانی کی تلاش میں یہاں آموجود ہوئے اور نیل کنارے بسیرا کر لیا، یہ واقعہ حضرت عیسیٰؑ کی آمد سے کم از کم پانچ ہزار سال قبل کا ہے۔ سائنسدانوں نے مصر سے ملنے والے آثار قدیمہ کی جانچ پرکھ کی، قدیم بالوں، ہڈیوں اور پودوں پر ریڈیو کاربن ڈیٹنگ کا طریقہ آزمایا، جس سے سائنسی طور پر یہ ثابت ہوا کہ دریائے نیل کے کنارے 3700 قبل مسیح لوگ کاشت کاری کیا کرتے تھے۔ (1)

مصر کی تہذیب و تاریخ کا باقاعدہ آغاز فرعونِ اول مینا سے شروع ہوتا ہے "فرعونِ اول مینا Mena یا منس (Mens) نے قریباً 4777 ق م شمالی اور جنوبی مصر کو متحد کر کے سارے مصر میں ایک طاقتور سلطنت قائم کی تھی اور شہر ممفس کو دارالسلطنت بنا کر باسٹھ سال تک کامیابی سے حکومت کی۔ فراعنہ مصر کی یہی سلطنت ہزارہا سال تک

قائم رہی اور 31 خاندان فراعنہ نے یہاں حکومت کی۔ سکندر اعظم نے 332 ق م مصر پر حملہ کر کے فراعنہ کی حکومت کا خاتمہ کیا۔[2]

مصر کی تاریخ اول اول یونانی مورخین نے لکھی لیکن یہ متفرق اور منتشر صورت میں تھی۔ بعد ازاں سب سے پہلے انگریز مورخ چارلس رولن نے مصر کی قدیم و مبسوط تاریخ لکھی جس کا اضافہ جات کے ساتھ اُردو ترجمہ 1864ء میں کیا گیا جو سائنٹفک سوسائٹی کے زیر اہتمام طبع ہوا۔ اس سے قبل 1847ء میں طبع ہونے والے اُردو کے پہلے سفر نامہ نگار یوسف خاں کمبل پوش کی عجائباتِ فرنگ میں مصر کی تہذیب اور وہاں کے احوال ملتے ہیں۔ کمبل پوش اپنے بے تکلف انداز میں اِنگلستان، یورپ اور افریقی ساحلی علاقوں کی تہذیبی و تفریحی حالت ہی بیان نہیں کرتا بلکہ مصر کے تمدن و تاریخ کا حال بھی بتاتا ہے یوسف خاں کمبل پوش کے علاوہ اردو کے نامور ادبا و سفر نامہ نگاروں نے مصر کی تاریخ و تہذیب، ثقافت و معاشرت کو اپنے سفر ناموں کا حصہ بنایا ہے۔ ان اہم سفر ناموں میں مولانا شبلی نعمانی کا "سفر نامہ روم و مصر و شام"، سر سید کا "مسافران لندن"، محمود نظامی کا "نظر نامہ"، جمیل الدین عالی کا "دنیا مرے آگے"، بیگم اختر ریاض الدین کا "سات سمندر پار"، ابن انشا کا "آورہ گرد کی ڈائری"، ماہر القادری کا "سیاحت نامہ"، شفیق الرحمن کا "دجلہ"، مفتی تقی عثمانی کا "جہان دیدہ"، اے بی اشرف کا "ذوق دشت نوردی"، حکیم محمد سعید کا "نقش سفر"، سلمٰی اعوان کا "مصر میرا خواب" اور یعقوب نظامی کا "مصر کا بازار" خصوصیت سے لائق ذکر ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر زاہد منیر عامر کی کتاب "مصر، خواب اور تعبیر" اُردو میں مصر کی تہذیب و ثقافت، تعلیم و تدریس اور معاشرت و سیاحت کا پہلا منفرد اور جامع و مانع مرقع ہے۔ اِس کتاب میں ڈاکٹر زاہد منیر عامر کی مختلف جہات بدرجہ اتم نمایاں ہیں۔ کہیں وہ ایک عالم اور اُستاد کے روپ میں جامعۃ الازہر میں تدریس اور اقبال شناسی کے جوہر دکھاتے نظر آتے ہیں تو کہیں ایک ماہر ادیب کی طرح شستہ و رفتہ زبان میں نیل و سویز کی تاریخ اور تہذیب کا بیان کرتے ہیں۔ کبھی کوہِ طور پر ماضی کی یاد آفرینی انھیں شاعر کا تخیل عطا کر دیتی ہے تو اُردو، فارسی کے اشعار نگینوں کی طرح اُن کی تحریروں میں جڑ جاتے ہیں۔ وہ ایک محبِ وطن سفیر کی طرح وطن عزیز کا مقدمہ عرب کے معروف ترین اخبارات میں قلم بند کرتے ہیں۔ کہیں وہ ایک محقق کی طرح وادیِ اَیمن میں، حضرت موسیٰؑ اور حضرت شعیبؑ کی ملاقات کی تاریخی روایات پر سوال اُٹھاتے ہیں اور کہیں ان کا قلم اس مورخ کی طرح درد بکھیرتا، سوال اٹھاتا اور واقعات بیان کرتا چلا جاتا ہے جو مسلم اُمہ کے زوال، نوجوانوں کے فکری اور معاشی مسائل پر صمیمِ قلب سے متفکر ہو اور الفاظ و بیان کا یہ تفکر قاری کو سوچنے پر مجبور کر دے۔

"مصر، خواب اور تعبیر" ڈاکٹر زاہد منیر عامر کے اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو انھوں نے اپنے قیامِ مصر کے تین سالہ دور میں مختلف عنوانات کے تحت تحریر کیے۔ ڈاکٹر زاہد منیر عامر 2008ء میں عالم اسلام کی عظیم یونیورسٹی جامعۃ الازہر میں

"مسندِ اُردو و مطالعہ پاکستان" کے سربراہ مقرر ہوئے اور تین سال تک نہ صرف جامعۃ الازہر قاہرہ میں اِس فرضِ منصبی کو بہ تمام و کمال نبھاتے رہے بلکہ مصر کے علمی و ادبی حلقوں میں بھی اُردو ادب، اقبالیات اور پاکستان کی تاریخ و تاسیس کے نقش اُجاگر کرتے رہے۔ ایک جانب وہ اہل مصر کو پاکستان کی تہذیب و ثقافت سے آگاہی دینے کے لیے مصر کے معروف ترین اخبارات میں کالم نگاری کرتے رہے تو دوسری جانب وطنِ عزیز کے اہم علمی جرائد اور قومی اخبارات میں مصر کے علمی، تہذیبی اور ثقافتی مظاہر کی منظر کشی کرتے رہے۔ ان کے یہ مضامین ماہنامہ الحمرا، قومی زبان، ماہنامہ اشراق اور روزنامہ نئی بات لاہور میں شائع ہوتے رہے۔ سال 2019ء میں جامعۃ الازہر کلیۃ اللغات والترجمہ کے ڈاکٹر اسامہ محمد ابراہیم شلبی نے ان متنوع مضامین کا عربی زبان میں ترجمہ کیا جسے پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ تالیف و ترجمہ نے "فی حب مصر" کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا۔ "فی حب مصر" کی طباعت پر مصر و پاکستان کے اہل علم نے حیرت و مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اِن مضامین کی اُردو اشاعت پر اصرار کیا جس کے بعد 2022ء میں کچھ اضافہ جات کے بعد یہ مضامین "مصر، خواب اور تعبیر" کے عنوان سے کتابی صورت میں جلوہ گر ہوئے۔ ۲۷۰ صفحات پر مشتمل اِس کتاب کو ادارہ تالیف و ترجمہ پنجاب یونیورسٹی لاہور نے بہت عمدہ کاغذ، مضبوط جلد بندی اور عمدہ پرنٹنگ کے ساتھ شائع کیا۔

"مصر، خواب اور تعبیر" کو موضوعات کی ترتیب کا لحاظ سے چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ مصر کی تاریخ و تہذیب کے حوالے سے اہم ترین ہے۔ اس حصے میں نو ضمنی عنوانات قائم کیے گئے ہیں جن میں کوہِ طور کا پر تجسس سفر نامہ جہاں مصنف جبلِ طور کے ساتھ ساتھ سینٹ کیتھرین کا دَیر، حمام فرعون، عیون موسیٰ کی سیر و سیاحت کرتا اور قارئین کو شریک سفر رکھتا ہے۔ یہاں نہرِ سویز کی تاریخ، نہر سویز کے تخلیق کار مسٹر ڈی لسپس کی سرسید سے ملاقات کا احوال، سویز کی معاشی اہمیت، فیری کے ذریعے سمندر کی تہہ میں اُترنے، زیر آب دنیا کے دلچسپ و حیرت زا مناظر اور سمندر کی تہہ میں پڑے ایک بحری جہاز کا تذکرہ ہے۔ قاہرہ کی جامع مسجد عمرو بن عاصؓ کے قریب واقع کنیسہ المعلقہ میں یہود کی تاریخی عبادت گاہ اور پانچ قدیم گرجوں کی مختصر جھلک ہے۔ اِسی باب میں مصر کے مشہورِ زمانہ عجائب گھر کا چشم دید و عبرت انگیز احوال ہے کہ جہاں فراعنہ کی لاشوں کو رکھا گیا ہے۔ "غزہ کے آنسو" کے عنوان سے قیامِ فلسطین کی مختصر تاریخ اور ماضی و حال بیان کیا گیا ہے جبکہ راس الحسین کے زیرِ عنوان امام عالی مقام حضرت امام حسینؓ کے سرِ مبارک کی تدفین کا بھی ذکر ہے۔ مصری دعوے کے مطابق قاہرہ کے مشہور بازار خان الخلیلی میں حضرت حسینؓ کا سر مبارک دفن ہے۔ دوسری جانب امام ابن کثیرؒ اور بیشتر مسلم مورخین کا موقف ہے کہ امام عالی مقام کا سر مبارک دمشق میں مدفون ہے۔ اس حصے میں ردِ عمل کے عنوان سے سابق سفیر پاکستان خالد عثمان قیصر کا خط زوال پذیر

مسلم معاشرے کا ایک ایسا آئینہ ہے جو پڑھنے والے پر فکر کے نئے در وا کر دیتا ہے۔ یہ حصہ سب سے طویل اور 124 صفحات پر مشتمل ہے۔

کتاب کا دوسرا باب شعر وادب سے متعلق پانچ مضامین پر مشتمل ہے۔24 صفحات پر مشتمل اِس حصے میں مصر کے معروف نقاد ڈاکٹر صلاح فضل کے ساتھ ڈاکٹر زاہد منیر عامر کا علمی مکالمہ خاصے کی چیز ہے۔اس مکالمے میں نظم وغزل کی جدید تنقید، معاصر ادبی رجحانات کے ساتھ ساتھ مصری ادیبوں کے پاکستانی ادب اور ادیبوں سے متعلق خیالات جان کر حیرانی بلکہ پریشانی ہوتی ہے۔ مصنف نے یہاں مصر کے معروف شاعر اصلاح عبد الصبور، محمد عفیفی مطر، احمد فواد نجم کی فکر اور شاعری کا مختصر تعارف بھی کروایا ہے۔

کتاب کا تیسرا باب تعلیم و تعلم سے متعلق ہے۔اس میں مصنف قاہرہ یونیورسٹی کی تاریخ، اس عظیم الشان یونیورسٹی سے فارغ التحصیل نوبل انعام یافتگان احمد زویل، نجیب محفوظ، یاسر عرفات اور محمد البرادی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ قاہرہ میں سابق امریکی صدر باراک اوباما کی آمد کی روداد اور یونیورسٹی کی لائبریری اور مطعم کی منظر کشی بھی دلچسپ پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔

کتاب کا چوتھا باب "اقبال اور مصر" کے عنوان سے ہے۔اقبال ڈاکٹر صاحب کی تحریروں کا مستقل حوالہ ہے۔اِس حصے میں انھوں نے مصر میں اقبال شناسی کی روایت پر بھی لکھا ہے اور مصر کے اقبال دوستوں کا تعارف کروایا ہے۔اقبال شناسی کے حوالے سے ڈاکٹر عبد الوہاب عزام، ڈاکٹر طہ حسین، ڈاکٹر حسن شافعی، ڈاکٹر سمیر عبد الحمید، ڈاکٹر جلال السعید الحفناوی کی کاوشوں کا تعارف اور اعتراف کیا گیا ہے۔

پانچویں باب "جوانانِ مصر" میں مصری نوجوانوں کے مسائل، ملکی حالات سے اُن کی مایوسی، معاشی پریشانیوں، روزگار اور شادی کے معاملات پر فکر انگیز مضامین شامل ہیں۔ اِن مضامین سے مصری معاشرے کے خدوخال، ملک کے مستقبل اور طبقاتی تفریق کو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے جبکہ چھٹے اور آخری باب میں جامعۃ الازہر کی مختلف تقاریب کے احوال، ریل کے ایک دلچسپ سفر کی رُوداد اور 2 جنوری 2011ء کا مصنف کا وہ الوداعی خطاب بھی شامل ہے جو جامعۃ الازہر سے رخصتی پر کیا گیا۔

"مصر، خواب اور تعبیر" ایک سفر نامے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ڈاکٹر زاہد منیر عامر کے لیے مصر ایک رومانوی خواب تھا۔انہوں نے مغربی ممالک کی جامعات کے عہدے چھوڑ کر مصر اور جامعۃ الازہر کا انتخاب کیا تو یہ اُن کے خواب ہی کی سچی تعبیر تھی۔ اگرچہ مصر میں ان کا قیام تین سال کے لیے رہا لیکن مصر اُن کے دل میں ہمیشہ کے لیے بس گیا ہے۔اِسی لیے وہ لکھتے ہیں:

"مصر میری تحریروں میں ایک لازمی حوالے کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ میں دنیا میں جہاں بھی جاتا ہوں، میرا دل اُس خطے اور زمانے کا اُن دنوں سے تقابل کرتا رہتا ہے جب میں مصر میں قیام پذیر تھا۔"(3)

ڈاکٹر زاہد منیر عامر کا تعلق علم و فضل کے اُس قافلے سے ہے جس نے تعلیم و تعلم کے لیے سفر کو اختیار کیا۔ انہوں نے کہیں پری جمال چہروں کی رونمائی نہیں کی، زلفوں کی سیاہی اور چہرے کی سپیدی کا نغمہ اُن کے ہاں بلند لے میں نہیں ملتا البتہ اس کتاب سے تہذیب و تاریخ، علم و تحقیق اور ادب و نقد کی مے بہ کثرت کشید کی جاسکتی ہے۔ جیسے سر سید نے لندن اور شبلی نے ترکی روم و مصر و شام کے سفر میں مسلمانوں کے تابناک ماضی اور روشن مستقبل کے خواب دیکھے اور اُن کا دل مسلم تہذیب کے زوال کی نوحہ گری اور عروج کے لئے مچلتا رہا، اِسی طرح ڈاکٹر زاہد منیر بھی مصر جا کر تاریخ کے دبیز اوراق پلٹتے اور علمی و ثقافتی خزانوں کا آئینہ بن جاتے ہیں۔ ڈاکٹر ایس ایم زمان حرفِ تقدیم میں لکھتے ہیں:

"کتاب کی اصل قدر و قیمت حسین و جمیل ادبی اسلوب میں مصری ثقافت و معاشرت، نظام تعلیم، مصری جامعات اور ثقافتی مظاہر کی سچی اور فکر انگیز تصویر کشی ہے جو اسے دل کش ادب پارے اور ایک پر از معلومات وقیع معاشرتی دستاویز کا منفرد مقام بخشتی ہے۔ کوئی صفحہ کھول لیجیے، آپ کے سامنے لمحہ موجود یا میراث ماضی کی معلومات کا باب وا ہو جائے گا۔"(4)

کتاب کا پہلا باب "تاریخ و تہذیب" ادیبانہ اُسلوب، تاریخ و تحقیق کے امتزاج اور منفرد انداز بیان کی وجہ سے دوسرے ابواب سے فائق تر ہے۔ اِس باب میں ایک متجسس مسافر کا گہرا مشاہدہ، ایک ادیب کے قلم کی جولانیاں، ایک محقق و مورخ کی فکر اور ایک شاعر کا تخیل و منظر کشی جگہ جگہ نمایاں ہے۔ کوہِ طور جہاں حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے کلام فرمایا اور دیدار الٰہی کے متمنی ہوئے مگر تجلی کی تاب نہ لا سکے اور بے ہوش ہو گئے اور طور ریزہ ریزہ ہو گیا: فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا(5)۔ ترجمہ: جب اُس کے رب نے پہاڑ پر (اپنے حسن کا) جلوہ فرمایا تو (شدّتِ انوار سے) اُسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ ڈاکٹر زاہد منیر جب کوہِ طور کی خطرناک بلندیوں کا سفر کرتے ہیں تو رات کی تاریکی اور سناٹا، دشوار تر اونچائی، اونٹوں کے ڈگمگاتے قدم ان کے دل کو مٹھی میں لے لیتے ہیں اور ستم یہ کہ ساربان نے اونٹ کی مہار بھی چھوڑ رکھی تھی۔ بلندی طور پر جانے کی منظر کشی دیکھیے:

"اونٹ گہری کھائیوں کے کنارے کنارے مستانہ وار چل رہا تھا، ستم یہ کہ ساربان نے اس کی مہار بھی چھوڑ رکھی تھی۔ میں نے کئی بار اس نیک بخت سے کہا کہ مہار تھام لو تاکہ اونٹ درست راستے پر گام زن رہے لیکن وہ بڑی بے پروائی سے جواب دیتا کہ اس اونٹ کو یہ

راستے زبانی یاد ہیں.... ہوں گے لیکن اس وقت جب اونٹ کا قدم ڈولتا تو ہماری تو جان پر بن جاتی تھی۔ نیم شب کے اس اندھیرے میں ڈولتے ڈگمگاتے اونٹ کا قدم ساتھ چلتی کھائی میں جا پڑتا تو گرنے والے کسی کو دکھائی بھی نہ دیتے۔۔۔ مگر جلوہ طور دیکھنے کے مقصدِ عزیز کی خاطر شتر بان کے شتر غمزے تو اٹھانا ہی تھے:

اٹھائے ہیں مجنوں نے لیلیٰ کی خاطر
شتر غمزۂ ساربان کیسے کیسے"[6]

کوہِ طور کی برقِ تجلی کے اثرات شاید ابھی باقی ہیں کہ ڈاکٹر زاہد منیر کے سفر طور کے بیان میں شدت، الفاظ میں وجاہت اور اشعار کی آمد بکثرت نمایاں ہے۔ راہِ زیست کے چالیس سالہ سفر کے بعد کوہِ طور پر پہنچنا مصنف کے دل پر جلوہ گری کرتا رہا اور وہ اقبال کے الفاظ میں ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلی سے مرحلہِ شوق طے کرنے کی کوشش میں ہیں ۔ کہیں دَیر سینٹ کیتھرائن کا منظر نامہ ہے، الواح موسیٰؑ کا معلومات افزا بیان تو مقدس جھاڑی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جگہ جگہ آیاتِ قرآنی، معروف تفاسیر اور بائبل کے حوالہ جات ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ مصنف کی محققانہ حس تاریخی اور اسرائیلی روایات پر سوال اٹھاتی اور سوچ کے نئے در وا کرتی ہے۔ ڈاکٹر زاہد منیر جب وادیِ ایمن پہنچتے ہیں تو اس کنویں کا ذکر کرتے ہیں جہاں عیسائی روایت کے مطابق حضرت موسیٰؑ اور حضرت شعیبؑ کی ملاقات ہوئی تھی۔ قرآن نے تو یہاں حضرت موسیٰؑ کی "شیخ کبیر" سے ملاقات کا ذکر کیا ہے جن کی بیٹی صفورا سے حضرت موسیٰؑ کا نکاح ہوا۔ بعض مفسرین نے اسرائیلی روایات کے مطابق "شیخ کبیر" سے مراد حضرت شعیبؑ ہی کو لیا ہے لیکن محقق علما اس قول کو زمانی بعد کی وجہ سے درست نہیں سمجھتے۔ ڈاکٹر زاہد منیر عامر حضرت موسیٰؑ اور حضرت شعیبؑ کی ملاقات کے ضمن میں رقمطراز ہیں:

"تاریخی صداقت اس لیے نہیں کہ محقق علما کے مطابق یہ بزرگ حضرت شعیبؑ نہیں تھے کیونکہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت شعیبؑ کے زمانے میں صدیوں کا فاصلہ ہے اور یوں بھی نبی تربیت سے نہیں، اللہ کے انتخاب سے بنایا جاتا تھا۔۔۔ لیکن یہ کنواں یہاں کیسے ہو سکتا ہے؟ اسے تو کہیں مدین کے قریب یا مدین میں ہونا چاہیے تھا اور تاریخ طبری کے مطابق مدین نامی بستی مصر سے آٹھ منزل دور پر واقع تھی (۱:۲۰۵) تاہم بائبل کے علما اسے طور ہی کے قرب وجوار میں بتلاتے ہیں ۔ میرے خیال میں تو اس کا مقام اُردن میں وادی شعیب کے کہیں آس پاس ہونا چاہیے۔"[7]

ڈاکٹر زاہد منیر عامر جب قاہرہ کے مشہور بازار خان الخلیلی کی جامع مسجدِ حسینؓ میں جاتے ہیں جہاں مصری دعوے کے مطابق حضرت حسینؓ کا سر مبارک دفن ہے تو وہ تدفین کی اس روایت پر سوال اٹھاتے ہیں۔ اہل مصر کا کہنا ہے کہ فاطمی حکمرانوں نے حضرت حسینؓ کے سر کو شام کے باب الفرادیس سے عسقلان منتقل کیا اور پھر عسقلان سے قاہرہ منتقل کیا بعد ازاں اس مقام پر تاج الحسینؓ کے نام سے مقبرہ تعمیر کیا گیا لیکن بیش تر مورخین اور محققین اس دعوے کو درست خیال نہیں کرتے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ کا سر مبارک مدینہ طیبہ میں حضرت فاطمہؓ یا حضرت حسنؓ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا تھا جبکہ بعض مورخین کے نزدیک دمشق اور کربلا میں تدفین کی روایات زیادہ مستند ہیں۔ مصر میں واقع مرقد راس الحسینؓ پر فاتحہ خوانی کرتے انھی خیالات میں مستغرق زاہد منیر عامر لکھتے ہیں:

> "ہم ایک بڑے کمرے میں تھے جس کی چھت غیر معمولی طور پر اونچی رکھی گئی ہے۔ ایک بڑا گنبد ہے جس کے اطراف میں خوشخط قرآنی آیات درج ہیں۔ ان کے نیچے ایک مستطیل جنگلے میں چوکور مرقد ہے جس میں یہاں کی روایات کے مطابق سیدنا حسینؓ کا سر مبارک دفن ہے۔ حضرت سیدنا حسینؓ پر بیتنے والے ستم کا خیال ہی دل کو دکھا دینے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان کا جسدِ اطہر آج بھی دولخت ہے اور لوگ اس المیے سے بے نیاز اپنی عقیدتوں میں گم ہیں۔ دراصل عقیدت اندھی ہی نہیں سفاک بھی ہوتی ہے۔ راس حسینؓ کو مصر میں لاکر دفن کرنا بھی ایسی ہی عقیدت کا مظہر ہے جبکہ آپ کا جسدِ خاکی کربلائے معلی عراق میں مدفون ہے۔ یہ خیال مزید اداس کر دینے کے لیے کافی تھا۔"(8)

مصنف کی تحقیق کا یہی عمق تب بھی نظر آتا ہے جب وہ مصر کے عجائب گھر میں فراعنہ مصر میں سے رعمسیس ثانی کی ممی دیکھتے ہیں تو سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا حضرت موسیٰؑ رعمسیس ثانی ہی کے دور میں پیدا ہوئے اور پھر یہی فرعون پانی میں ڈوب کر نشان عبرت بنا؟ یہاں وہ قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہیں کہ رعمسیس ثانی ہی کے گھر میں حضرت موسیٰؑ کی پرورش ہوئی۔ اس کا زمانہ حکومت 67 سال رہا، اسی زمانے میں حضرت موسیٰؑ کو نبوت ملی اور اسی زمانے میں فرعون غرقِ آب ہوا۔ ڈاکٹر اشفاق احمد ورک رقمطراز ہیں:

> "ڈاکٹر صاحب مصر کے تاریخی مقامات پہ ایک ایسے سیّاح کے روپ میں نظر آتے ہیں جو ہمہ وقت تفریح کے کٹورے کی بجائے تحقیق کا کٹورا ہاتھ میں اٹھائے رکھتے ہیں۔ وہ تو فرعون کے حمام پہ بھی تعریف کی تری سے مستفید ہونے کی بجائے تاریخ کی خشکی میں غوطہ زن دکھائی دیتے ہیں۔"(9)

"مصر، خواب اور تعبیر" کا ایک منفرد پہلو مصر میں اقبال شناسی، اُردو ادب اور معاصر ادب کے بارے میں مصری اُدبا و ناقدین کے تاثرات سے آگاہی ہے۔ 1931ء میں جب علامہ اقبال دوسری گول میز کانفرنس کے لیے انگلستان گئے تو واپسی پر آپ نے اٹلی، مصر اور فلسطین کا سفر کیا۔ یہی اقبال اور مصر کا پہلا باقاعدہ تعارف تھا۔ علامہ اقبال سے ملاقات کے لیے مصر کے اہلِ علم اور حکومتی زعما بے تاب تھے۔ یہاں علامہ کا لمحہ لمحہ مصروف ترین گزرا۔ انہوں نے شیخ ازہر شیخ مصطفےٰ المراغی، حزب الوفد کے رئیس مصطفےٰ نحاس پاشا، ڈاکٹر محمد حسین ہیکل سمیت اہم قومی و ملی جماعتوں کے راہنماؤں سے ملاقاتیں کیں۔ مصر کے معروف روحانی بزرگ سید محمد ماضی ابوالعزائم خود علامہ اقبال سے ملاقات کے لیے تشریف لائے اور دیر تک ان کو دعائیں دیتے رہے۔ "جب اقبال جامعۃ الازہر گئے تو ایک پروفیسر نے اقبال کی شان میں طویل قصیدہ پڑھا۔ تمام طلبہ نے دکتور اقبال زندہ باد، شاعر ہندی زندہ باد، زعیم ہندی زندہ باد کے نعرے لگائے۔"(10)

مصر میں اقبال شناسی کے اولین روایت گزار ڈاکٹر عبدالوہاب عزام تھے۔ ڈاکٹر عبدالوہاب عزام نے ہی اقبال کے قیامِ مصر کے دوران میں اُن کی ترجمانی کی۔ علامہ اقبال کی شاعری کے اولین عربی تراجم ڈاکٹر عبدالوہاب عزام نے کیے تھے۔ انہوں نے پیامِ اقبال اور ضربِ کلیم کا ترجمہ کیا اور علامہ اقبال کی سیرت و شاعری پر ان کی بہترین تصنیف "محمد اقبال سیرتہ و فلسفتہ و شعرہ" 1954ء میں منصہِ شہود پر آئی۔ اقبال شناسی کے حوالے سے ڈاکٹر حسن حنفی اور ڈاکٹر حسن شافعی، ڈاکٹر سمیر عبدالحمید ابراہیم کی خدمات بھی قابل قدر ہیں۔ ڈاکٹر حسن شافعی انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی اسلام آباد کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ ڈاکٹر زاہد منیر عامر نے ڈاکٹر حسن الشافعی کو مصر میں پاکستان کا سب سے بڑا دوست قرار دیا ہے۔ انہوں نے اقبال کے پی ایچ ڈی مقالے "ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقا" کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر سمیر نے اسرار و رموز کا عربی ترجمہ کیا۔ ارمغانِ حجاز کی فکر اور شاعری پر کتاب لکھی۔ اقبال شناسی میں ایک اور بڑا نام ڈاکٹر جلال السعید الحفناوی ہیں۔ جنھوں نے اقبال کے قریباً تمام اُردو کلام کو عربی میں منتقل کر دیا ہے۔ ڈاکٹر زاہد منیر عامر اقبال شناسی کی روایت کو بڑھانے کے لیے اپنے طلبہ اور اُدبا میں مختلف طریقوں سے اقبالیات کا ذوق بیدار کرتے رہے۔ کبھی مصری گلوکارہ اُم کلثوم کی حدیث الروح(11) سے طلبہ کی روح کو بیدار کرتے تو کبھی جامعۃ الازہر میں "عالم عرب سے اقبال کا خطاب" کے عنوان سے مقالہ پیش کر کے اِقبال کا زندہ پیغام پہنچاتے۔ کہیں جامعۃ الازہر کے تحقیقی مجلے میں عالم عرب کے نام اقبال کا پیغام رقم کرتے رہے، اُن کی اس کاوش پر مصر کے قدیم اخبار روزنامہ "الاھرام" نے اُن کو "سفیر بین الثقافتین" (دو قوموں کو ملانے والا سفیر) کا خطاب دیا۔(12)

"مصر، خواب اور تعبیر" سے یہ فکر انگیز انکشاف بھی ہوتا ہے کہ اہلِ مصر پاکستان کے قیام کو ایک سازش کا حصہ سمجھتے ہیں اور پاکستان کے بارے میں بہت خوش گمان نہیں ہیں بلکہ وہ اُردو کو بھی ہندوستانی زبان کا درجہ دیتے ہیں اسی لیے

اُردو کے شائق مصری طلبہ تعلیم کے لیے بھارت کا رخ کرتے ہیں۔واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے علیحدہ وطن کے مطالبے کو اہل مصر نے روز اول سے ہی انگریز کی سازش سمجھا اور اس کے مقابل کانگریس کے موقف کو درست قرار دیا۔ علامہ اقبال جب مصر گئے تو ان کو بھی اس بات پر تعجب ہوا کہ مصریوں کو ہندوستانی مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ "کانگریس کے پروپیگنڈے کے زیر اثر وہ یہ سمجھتے تھے کہ مسلمان جدوجہد آزادی میں روڑے اٹکا رہے ہیں اور انگریزوں کی شہ پر وہ کسی مسئلے کو حل نہ ہونے دیتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ گاندھی جی اصل راہنمائے آزادی تھے اور کانگریس ہندوستان کی نمائندہ سیاسی جماعت تھی"[13] علامہ اقبال اور مولانا غلام رسول مہر نے کوشش کی کہ اپنے قیامِ مصر کے دوران اِن غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جائے اور مصری صحافیوں اور عوام تک مسلمانانِ ہند کے سیاسی موقف کے متعلق صحیح اطلاعات بہم پہنچائی جائیں۔

ڈاکٹر زاہد منیر عامر نے قیامِ مصر کے دوران میں اپنی تحریر ، تدریس ،خطبات اور ملاقاتوں کے ذریعے مصر کے اہلِ علم،اُدبا اور طلبہ کو قیامِ پاکستان کی ناگزیر وجوہات، مسلم تشخص اور دو قومی نظریے سے آگاہ کیا۔ان کے کالم شرق اوسط کے سب سے بڑے اور معروف اخبار دی ایجپشن گزٹ میں اس تسلسل اور اِہتمام سے شائع ہوئے کہ مصر کے سفارتی حلقوں ،اساتذہ اور اہل علم ملاقات کے وقت ان کی اولین شناخت بہ طور کالم نگار کرتے۔مصر میں اساتذہ اور طلبہ سے لے کر ٹیکسی ڈرائیور تک سب یہی سمجھتے تھے کہ پاکستان میں دھماکے ،افراتفری،انتشار ہی انتشار ہے لیکن ڈاکٹر زاہد منیر عامر کے کالموں سے نہ صرف پاکستان کا مثبت چہرہ اُجاگر ہوا بلکہ قیام پاکستان کی تاریخ وتوجیہہ سے متعلق ان کے کالم بہت توجہ سے پڑھے گئے۔ خصوصاً مصری خاتون سفر نامہ نگار منال عبدالعزیز جب ہندوستان کے سفر سے واپس آئیں تو انہوں نے دی ایجپشن گزٹ میں ہندوستان کے سفر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ پاکستانی مسلمان گہری سازش کا شکار ہو کر الگ ہو گئے اور انھوں نے ملک کے ٹکڑے کر دیے۔اس کے جواب میں ڈاکٹر زاہد منیر عامر نے دی ایجپشن گزٹ میں "The Story of a nation" کے عنوان سے کالم لکھا جس میں تاریخی حوالوں سے بتایا گیا کہ تقسیم ہندوستان مسلمانوں کی اولین ترجیح نہیں بلکہ ہندوستانی رویے کی وجہ سے مجبوری بن گئی تھی کیونکہ ہندو مسلمانوں کی الگ شناخت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے جس کا نتیجہ الگ مملکت کی صورت میں نکلا۔اگرچہ پاکستانی قومی اخبارات میں ڈاکٹر زاہد منیر کے کالم نوے کی دہائی سے ہی شائع ہو رہے ہیں تاہم مصری اخبارات میں لکھے گئے کالموں کی اِنفرادیت یہ ہے کہ یہ کالم محض ادبی، تحقیقی یا معلوماتی نہ تھے بلکہ ان کالموں میں مصر کی عوام کے سامنے پاکستان اور تاریخ پاکستان کے وہ حقائق انھوں نے پیش کیے جس سے بیشتر اہل مصر آگاہ نہیں تھے۔

"A Pakistani's Notebook" کے عنوان سے تین سال تک شائع ہونے والا اُن کا کالم سفارتی اور تعلیمی حلقوں میں پاکستان کے قیام کی تاریخ،عالمِ اسلام کے لیے پاکستان کے کردار اور مثبت چہرے کو پیش کرتا رہا۔انہوں نے مصر

کے معروف قلم کار طارق حجی کی پاکستانی شناخت پر سوال اُٹھانے کے سلسلہِ مضامین کا بھی علمی جواب دیا جس پر مختلف ممالک کے اہل علم و فکر نے اُن کو خراج تحسین پیش کیا۔ کیمبرج یونیورسٹی کے شامی پروفیسر ڈاکٹر ریاض نوراللہ کی گرم جوشی ملاحظہ کریں:

> "مجھے اس حسن خلق سے آراستہ، معلومات افزااور جرات مندانہ جواب پر خراج تحسین پیش کرنے کی اجازت دیجیے۔ یہ ایک ایسی تحریر ہے جس پر آپ اور ہم فخر کر سکتے ہیں جو بڑے ڈپلومیٹک لیکن جامع اور حقائق کو روشن کر دینے والے طریقے سے ریکارڈ کو درست کر رہی ہے۔"(14)

ڈاکٹر زاہد منیر عامر نے پاکستان کے بارے میں غلط فہمیاں دور کرنے کے لیے سید حسن ریاض کی کتاب "پاکستان ناگزیر تھا" کا عربی ترجمہ کروایا جو مصری طالبہ صباح علی عبدالمعز حجازی نے کیا جبکہ ڈاکٹر صفدر محمود کی کتاب "پاکستان، تاریخ و سیاست" کو ڈاکٹر زاہد منیر کی ہدایت پر اسامہ ابراہیم محمد شلبی نے عربی قالب میں ڈھالا۔ انھوں نے ملک کی نظریاتی اساس، درست تشخص کے لیے قلم و قرطاس سے خوب حق ادا کیا مگر ان کا یہ شکوہ بھی حق بجانب ہے کہ بطور ریاست ہم عصر حاضر میں پاکستان کا سفارتی مقدمہ صحیح طور پر پیش نہیں کر سکے۔ پاکستان کو ناکام ریاست قرار دینے والوں کو اِسی مملکتِ خداداد سے ایسے تائید کنندہ مل جاتے ہیں جو مخالف نظریے کو تقویت بخشتے ہیں اور وطن عزیز کی شناخت کو مجروح بھی کرتے ہیں۔ پروفیسر غازی علم الدین نے اس بارے میں اپنے تجزیے میں درست لکھا ہے کہ کتاب کے یہ انکشافات ان چشم کشا حقائق کو طشت از بام کرتے ہیں کہ ہمارے سفارتی حکام شروع دن سے ہی ملک کا مقدمہ دنیا کے سامنے صحیح طور پر پیش نہ کر سکے۔ ہمارے ادیب و شعرا کا رخ نظریاتی سرحدوں کی حفاظت بجائے جدیدیت کی طرف مائل رہا اور ہمارے اشرافیائی کلچر، مذہبی، لسانی اور سیاسی تنازعات سے بیرون ملک ہمارا تشخص مجروح ہوا۔(15)

بات صرف پاکستان کے الگ تشخص و قیام اور نظریاتی اساس تک ہی محدود نہیں، ستم یہ کہ مصری اُدبا پاکستانی شعر و ادب اور نقد و نظر کے منظر نامے سے بھی بالکل لاعلم ہیں۔ "پاکستانی ادب پر ایک مصری ادیب کے سوالات" ایک ایسا مکالمہ ہے جسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مصری ادیب پاکستانی ادب و تنقید، شاعری اور نثری کام سے بالکل آگاہ نہیں۔ جامعہ عرب میں ادب و تنقید کے شعبے کے سربراہ معروف مصری نقاد ڈاکٹر صلاح فضل یہ سن کر حیران ہو گئے کہ پاکستان میں بھی ادب تخلیق ہو رہا ہے۔ کہنے لگے کہ پاکستان کے بارے میں یہی سنتے ہیں کہ وہاں لڑائی اور خانہ جنگی ہے۔ پاکستان کی تصویر بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ ایسی تصویر جس میں پاکستان کا ادب و حسن، فطرت و زندگی کے عکس نظر آئیں۔ ڈاکٹر زاہد منیر عامر اور ڈاکٹر صلاح فضل کا یہ مکالمہ شاعری کی ہیئتوں، کلاسیکی اور جدید غزل، غزل کے

موضوعات پر اور جدید ادب کے حوالے سے بے حد دلچسپ ہے۔ اس باب میں مصر کے کچھ دوسرے معروف شعرا کا بھی تذکرہ ہے۔ ایک جانب مصری شاعر احمد فواد نجم کا تعارف اور زندگی کی جھلک ہے اور اس کی عوامی شاعری کا ذکر ہے تو دوسری طرف صلاح عبدالصبور، محمد عفیفی مطر جیسے مشکل پسند شاعروں کے بارے میں بھی آگاہی ہے۔ احمد فواد کے لہجے کی تلخی، عوامی سطح اور اس کی نظموں میں معاشرتی نباضی کا بھی تذکرہ ہے۔

"مصر، خواب اور تعبیر" کا ایک اور زاویہ مصری تہذیب و ثقافت اور معاشرت کا بیان اور نوجوانان مصر کے فکر انگیز مسائل سے آگاہی ہے جس سے مستقبل کے معاشرے کی بنت دکھائی دیتی ہے۔ تہذیبی اعتبار سے اہلِ مصر کو اپنی قدامت پر فخر ہے۔ وہاں فرعون ثانی رعمسیس کے نام سے نہ صرف مختلف سڑکیں اور بازار ہیں بلکہ قاہرہ کا ریلوے اسٹیشن بھی فرعون سے منسوب ہے اور "رمسیس" کہلاتا ہے۔ "مصری اپنے پرانے بادشاہوں یعنی فرعونوں کے ذکر سے نہیں شرماتے بلکہ اپنی تہذیب کی قدامت پر ناز کرتے ہیں اور ماضی کے مشاہیر سے بڑے بڑے مقامات اور سڑکیں منسوب کرتے ہیں۔ انھیں اہرام اور جامعۃ الازہر اور فراعنہ کے خزانوں اور جدید سڑکوں پر ایک جیسا فخر محسوس ہوتا ہے۔"(16)

قدیم مصری تہذیب و ثقافت میں مجسمہ سازی کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ مصری نہ صرف دیوتاوں اور بادشاہوں کے مجسمے بناتے بلکہ جانوروں کو پتھروں پر تراش کر ان کی مجسمہ سازی کا آغاز بھی مصر ہی سے ہوا۔ بلی کو اہلِ مصر خاص اہمیت دیتے اور اس کے مجسموں کی پرستش بھی کی جاتی۔ مجسمہ سازی کی یہ ثقافت آج بھی زندہ ہے، خصوصاً فرعون کے مجسمے یہاں بڑے احترام سے رکھے جاتے ہیں۔ بہ قول ڈاکٹر زاہد منیر عامر:

> "ہم پاکستانی تو اسے (فرعون کو) ایک ملعون و مغضوب کے طور پر ہی جانتے ہیں لیکن یہاں مصر میں آکر دیکھا کہ قاہرہ شہر کا ایک اہم علاقہ اس کے نام سے منسوب ہے جسے میدان رمسیس کہا جاتا ہے۔ ایک سڑک اس کی یادگار ہے اور ایک فائیو سٹار ہوٹل کا نام اس کے نام پر رکھا گیا ہے اور اس کے سوانح و فضائل پر بڑی بڑی کتابیں شائع کی گئی ہیں۔"(17)

ڈاکٹر زاہد منیر عامر جامعہ قاہرہ کی ایک تقریب میں شرکت کرتے ہیں تو یونیورسٹی کے پرچم پر بت دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ استفسار پر ان کے میزبان بتاتے ہیں کہ یہ فرعونی دور میں الٰہ کے بت کا مجسمہ ہے۔ اسی طرح قاہرہ یونیورسٹی میں کئی جگہ خواتین کے مجسمے رکھے گئے ہیں۔ بیشتر مصری اپنے گھرانوں میں بھی تصاویر اور مجسمہ رکھنے کو معیوب نہیں سمجھتے بلکہ اسے اپنی ثقافت کا حصہ قرار دیتے ہیں۔

نوجوان نسل مصر کا سب سے بڑا اور جدید خزانہ ہے۔ مصری معاشرے کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی نوجوان نسل کو سمجھا جائے۔ 8 کروڑ سے زائد آبادی میں نوجوانوں کی تعداد 63 فیصد سے زیادہ ہے جبکہ چالیس فیصد آبادی دس

سے انتیس سال تک ہے۔ یہاں ڈاکٹر زاہد منیر مصر اور پاکستان کے حالات کا تقابل بھی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مصر میں نوجوان مختلف طبقوں میں منقسم ہیں اور یہ تقسیم بنیادی طور پر معاشرے ہی کے مختلف روپ ہیں۔ "یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے نوجوان، ٹیکسی ڈرائیور، شام ہوتے ہی قہوہ خانوں کی رونق بن جانے والے، رقص و موسیقی کے دلدادہ نوجوان اور رمضان المبارک میں مساجد میں معتکف ہو جانے والے نوجوان۔"[18]

نوجوانوں کا سب سے بڑا مسئلہ فکرِ معاش ہے۔ اُن کی مایوسی چھپائے نہیں چھپتی۔ وہ ملکی حالات سے ناخوش اور مصر سے نکل کر کسی دوسرے ملک زیست کرنے کے آرزومند ہیں۔ عام نوجوانوں کے لیے شادی کرنا ایک بہت بڑا سماجی مسئلہ بنتا چلا جارہا ہے۔ بے روزگاری، غربت اور تاخیر سے شادی نوجوانوں کے تین بڑے مسائل ہیں۔ شادی کے لیے لڑکے کے لیے ضروری ہے کہ وہ آزادانہ رہائش کا انتظام کرے۔ یہ ایک ایسا مطالبہ ہے جو نو ملین نوجوانوں کے لیے سوہانِ روح بنا ہوا ہے جو پینتیس سال کی عمر تک پہنچ جانے کے باوجود شادی نہیں کر سکے۔ اسی باعث وہاں "زواجِ عرفی" جیسی اخلاقی برائیاں سامنے آرہی ہیں جس میں لڑکا اور لڑکی کسی گواہ کے بغیر کاغذوں میں شادی کر لیتے ہیں اور والدین کو بھی اطلاع نہیں کرتے، ایسے نوجوانوں کی تعداد ۲۴ فیصد تک پہنچ چکی ہے۔[19]

طبقات کی یہ تفریق نوجوان نسل تک محدود نہیں بلکہ پورا مصری معاشرہ بھی طبقاتی تفریق کا شکار ہے۔ بالادست طبقے کے لیے زندگی کی تمام عیش پرستیاں بہ سہولت دستیاب ہیں جبکہ زیر دست طبقہ بس زندگی کی صبح کو رات تک لے جانے کی کوشش میں مصروف ہے، بقول مصنف:

> "راقم نے ایسے گھرانے بھی دیکھے ہیں جن کی زندگی ایک پرانی چوبی کشتی تک محدود تھی۔ ایک طرف شوہر دن بھر کی مشقت کے بعد نیند سے ہم آغوش ہے، دوسری طرف بیوی اپنی محرومیوں اور مایوسیوں کے چپو تھامے کشتی کو نیل کی موجوں میں کھے رہی ہے۔ ایک طرف چولھا جل رہا ہے اور اس پر ان محروموں کی خوراک بننے والی ہڈیاں پگھلنے کی کوشش میں مصروف ہیں، کبھی کشتی باپ چلا رہا ہے اور ماں بچوں کو دودھ پلا رہی ہے۔ زندگی کا مختصر سامان خراب حال کشتی میں ادھر ادھر بکھرا پڑا ہے۔"[20]

مصری معاشرے میں خواندگی کی شرح اگرچہ ۷۳ فیصد ہے لیکن لائبریریوں کا کلچر زبوں حالی کا شکار ہے۔ شبلی نے "سفرنامہ روم و مصر و شام" میں مصری لائبریریوں کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ مصر کے کتب خانہ خدیویہ میں کتابوں کی ترتیب، خوش اُسلوبی اور زیب و زینت اور حسنِ انتظام ترکی کے کتب خانوں سے بڑھ کر ہے۔ آٹھ جلدوں میں اس کتب خانے کی عربی کتابوں کی فہرست ہے جو ۹ سال کی مدت میں مکمل کی گئی[21] تاہم اب دورِ جدید میں مصر کی لائبریریاں قابلِ رشک حالت میں نہیں۔ ڈاکٹر زاہد منیر عامر مصر کے تعلیمی اداروں میں لائبریریوں کی صورت حال پر

دل گرفتہ ہیں۔ جامعۃ الازہر کی لائبریری ہو، جامعہ عرب لیگ، جامعہ قاہرہ یا طنطا میں قدیم ادارے المعہدی الاحمدی کی لائبریری، ڈاکٹر زاہد منیر عامر کو ہر مرتبہ مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اول تو لائبریریوں میں داخل ہونا ہی کار دشوار ہے اور اگر کوئی آہی جائے تو کتابوں کو ڈھونڈنا ناممکنات میں سے ہے۔ جامعۃ الازہر کی لائبریری میں ایک مصری رفیق کے ساتھ جاکر مصنف کو تب بے انتہا حیرت کا سامنا کرنا پڑا جب ازہر کے پی ایچ ڈی رفیق نے انھیں بتایا کہ وہ پہلی جماعت سے لے کر پی ایچ ڈی تک جامعہ الازہر کے طالب علم رہے لیکن لائبریری پہلی مرتبہ آئے ہیں۔

"مصر، خواب اور تعبیر" کا ایک اور امتیاز یہ بھی ہے کہ اس میں مصر کی بڑی جامعات، تعلیمی روایات اور اُردو ادب کی صورت حال کا سنجیدہ جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مصر میں اُردو کی تدریس کا باقاعدہ آغاز 1939ء میں جامعہ قاہرہ سے ہوا اور پروفیسر حسن الاعظمی پہلے اُردو پروفیسر مقرر ہوئے جن کا تعلق اعظم گڑھ بھارت سے تھا۔ قیام پاکستان کے بعد مصر میں اُردو کی تدریس کے سلسلے میں پاکستان کے ڈاکٹر امجد حسن سید کی خدمات قابل ذکر ہیں۔ وہ 1964ء میں قاہرہ یونیورسٹی میں اُردو کے استاد مقرر ہوئے۔ اُردو کے بیشتر مصری اساتذہ انہی کے شاگرد ہیں۔ ان کے بعد ڈاکٹر عبدالستار پراچہ، پروفیسر جمیل انجم، ڈاکٹر نثار احمد قریشی، ڈاکٹر نجیب جمال، ڈاکٹر مظفر عباس اور ڈاکٹر زاہد منیر عامر نے مصر کی جامعات میں اپنی خدمات سرانجام دیں۔ ڈاکٹر زاہد منیر عامر 2008ء سے 2011ء تک جامعۃ الازہر میں 'مسندِ اُردو و مطالعہ پاکستان' کے سربراہ رہے۔ انہوں نے بہ طور استاد اُردو اپنے وقت کا زیادہ تر حصہ اُردو کی ترویج و اشاعت میں صرف کرتے ہوئے اہل وطن کو دیار غیر میں اُردو زبان و ادب کی موجودہ صورت حال اور دیار غیر میں اُردو سے محبت کرنے والوں کو شعر و ادب کے تحقیقی کام سے متعارف کروایا۔ خصوصیت کے ساتھ اقبال شناسی کے حوالے سے ڈاکٹر زاہد منیر عامر کی خدمات لائق تحسین ہیں۔ انھوں نے پیغامِ اقبال مصر بلکہ اہل عرب تک پہنچانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔

"مصر، خواب اور تعبیر" میں مصری تہذیب و ثقافت، تعلیم و تاریخ کو مصنف نے جس منفرد اُسلوب، تحقیقانہ تعمق، فکر انگیزی اور تاریخی و مذہبی استناد سے رقم کیا ہے، اس سے پہلے ایسی کوئی دوسری کاوش نظر نہیں آتی۔ خصوصاً کتاب کے وہ حصے جہاں مصنف تاریخی و مذہبی مقامات کی سیر کو جاتا ہے، ان کا بیان اثر انگیز ہے۔ کوہِ طور، عیونِ موسیٰ، دَیر سینٹ کیتھرائن، مصری عجائب گھر، نہر سویز کے اسفار میں ڈاکٹر زاہد منیر عامر خارج کے واقعات کو اپنے دل کی دنیا سے ہم آہنگ کر دیتے ہیں۔ جگہ جگہ قرانی آیات، عربی و فارسی اور اُردو اشعار، اقبال اور سرسید کا تذکرہ، کہنا چاہیے کہ انھوں نے جو بات اقبال کے لیے لکھی ہے کہ 'سمندر کی ہوا نے اقبال کی طبیعت موزوں کر دی تھی'، خود ان پر بھی صادق آتی ہے۔

مجموعی طور پر "مصر، خواب اور تعبیر" ایک استاد، عالم، محقق، شاعر اور ادیب کا اُردو قارئین کے لیے بیش بہا تحفہ ہے۔ یہ کتاب تاریخ و تحقیق کا دلچسپ مرقع ہے لیکن ڈاکٹر زاہد منیر عامر بے رنگ مورخ کی طرح تاریخ کو بوجھل انداز سے بیان نہیں کرتے بلکہ تاریخ و تحقیق کا حسین امتزاج ان کی تحریروں میں ادیبانہ اسلوب میں ڈھل جاتا ہے۔ وہ مذہبی مقامات اور عجائبات کی بنیادوں کا کھوج لگاتے ہیں، ماضی کی طرف جاتے ہیں اور مستقبل کی پیش بینی کرتے ہیں۔ سنی سنائی باتوں کے بجائے مستند مآخذ سے رجوع کرتے ہیں۔ وہ ماضی پرست نہیں کہ بس مشاہیر پر فخر ہی کریں بلکہ مستقبل کو بھی اپنی فکر سے منور کرتے ہیں۔ ملک و ملت اور اسلام سے اٹوٹ محبت، تاریخ اسلامی سے گہری وابستگی اور داخلیت و خارجیت کا ملاپ ان کی تحریروں کو دلکش بنا دیتا ہے۔ البتہ کمپوزنگ کی اغلاط اور رموزِ اوقاف کی کمی کہیں کہیں قاری کو کھٹکتی اور مطالعے کی راہ میں الجھن پیدا کرتی ہے۔ باب اول "تاریخ و تہذیب" میں بعض طویل عبارات میں ختمے، وقفے یا سکتے کی علامت نہیں لگائی گئی۔ الفاظ کی کچھ اغلاط اس طرح سے ہیں:

قران حکیم: ص22، بندر رروڈ: ص64، سلسہ: ص36، گوسالہ پرستی: ص39، فلسطی مشرکین 39، سوا بجے: ص81، شیشیے: ص96، تکیل: ص 249، پھیر پھر: ص131 اور غالب کے شعر کے مصرعے کا ایک حصہ: "وہ جاتا تھا کہ ہم آئے" کی جگہ "وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے" ہونا چاہیے: ص64

کمپوزنگ کی درج بالا اغلاط سے قطع نظر "مصر خواب اور تعبیر" نہ صرف اُردو میں مصری تہذیب و ثقافت، تاریخ و تعلیم اور ادب و تدریس کے حوالے سے ایک بیش بہا اضافہ ہے بلکہ "مصریات" سے دلچسپی رکھنے والے اہلِ ادب و نقد کے لیے بھی خاص طور پر فکر کے نئے در وا کرتی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

https://www.bbc.com/urdu/science/2013/09/130904_egypt_timeline_zis

بہ تاریخ 11/جون 2025ء

2۔ اے۔ کالیشور راؤ، ڈاکٹر، تاریخ مصر و عرب قومیت، تلگو اُردو اکیڈمی آف سائنس اینڈ ہسٹری، حیدرآباد، 1965ء، ص17۔18

3۔ زاہد منیر عامر، ڈاکٹر، مصر خواب اور تعبیر، ادارہ تالیف و ترجمہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 20022ء، ص16

4۔ زاہد منیر عامر، ڈاکٹر، مصر خواب اور تعبیر، ص11

5۔ القرآن، پ8، الاعراف 143

6۔ زاہد منیر عامر، ڈاکٹر، مصر خواب اور تعبیر، ص30

7۔ ایضاً، ص152

8۔ ایضاً، ص130

9۔ اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر (کالم) روزنامہ 92، لاہور، بہ تاریخ 11 / جون 2023ء

10۔ محمد حمزہ فاروقی، سفر نامہ اقبال، اقبال اکادمی، لاہور، 1998ء، ص180

11۔ اُم کلثوم مصر بلکہ عرب کی معروف و محبوب گلوکارہ تھیں جنھوں نے شکوہ، جواب شکوہ کا منظوم عربی ترجمہ؛ جو نابینا شاعر صاوی علی الشعلان نے حدیث الروح کے عنوان سے کیا تھا؛ گا کر اسے امر کر دیا، اُم کلثوم کی گائیکی عرب عوام سے اقبال کا پہلا تعارف تھا۔ حدیث الروح کی بے انتہا مقبولیت کے سبب حکومت پاکستان نے ام کلثوم کو 18 نومبر 1967ء کو انھیں ستارہ امتیاز عطا کرنے کا اعلان کیا اور 2 اپریل 1968ء کو انھیں ایک خصوصی تقریب میں مصر میں پاکستان کے سفیر سجاد حیدر نے ستارہِ امتیاز پیش کیا۔

12۔ زاہد منیر عامر، ڈاکٹر، مصر خواب اور تعبیر، ص225

13۔ محمد حمزہ فاروقی، سفر نامہ اقبال، ص165

14۔ زاہد منیر عامر، ڈاکٹر، مصر خواب اور تعبیر، ص118

15۔ غازی علم الدین، پروفیسر، میزانِ انتقاد و فکر، مثال پبلشرز، فیصل آباد، 2021ء، ص80

16۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، دنیا مرے آگے، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1984ء، ص111

17۔ زاہد منیر عامر، ڈاکٹر، مصر خواب اور تعبیر، ص101

18۔ ایضاً، ص214

19۔ بی بی سی کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ 90 کی دہائی میں امریکی ماہرِ سیاسیات ڈیان سِنگر مین قاہرہ میں خاندانی سیاست کے موضوع پر تحقیق کر رہی تھی تو انھیں معلوم ہوا کہ اکثر و بیشتر لوگوں کا مشترکہ مسئلہ شادی کے لیے اخراجات جمع کرنا ہے۔ زیور اور جہیز کی رقم، الگ گھر کے لیے رقم، گھر کا مکمل سامان اور شادی کے روز اخراجات کی رقم، یہ رقم ایک اوسط درجے کے مصری خاندان کے سالانہ اخراجات سے بھی اڑھائی گنا زیادہ بنتی ہے۔ دیکھیے مکمل رپورٹ
https://www.bbc.com/urdu/world/2015/11/151101_adulthood_waithood_sq
بہ تاریخ 11 / دسمبر 2023ء

20۔ زاہد منیر عامر، ڈاکٹر، مصر خواب اور تعبیر، ص155

21۔ شبلی نعمانی، سفر نامہِ روم و مصر و شام، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، 2010ء، ص168

References in Roman Script:

1. https://www.bbc.com/urdu/science/2013/09/130904_egypt_timeline_zisba tareekh 11/June 2025
2. A. Kaleshwar Rao, Dr., Tareekh e Misr o Arab Qaumiyat, Telugu Urdu Academy of Science and History, Hyderabad, 1965, P. 17–18

3. Zahid Munir Aamir, Dr., Misr, Khawab aur Tabeer, Idara-e-Taleef-o-Tarjuma, Punjab University, Lahore, 20022), P. 16
4. Zahid Munir Aamir, Dr., Misr, Khawab aur Tabeer, P. 11
5. Al-Quran, Para 8, Al-A'raaf, 143
6. Zahid Munir Aamir, Dr., Misr, Khawab aur Tabeer, P. 30
7. Ibid, P.152
8. Ibid, P.130
9. Ashfaq Ahmad Warak, Dr., Column, Roznama 92, Lahore, ba tareekh 11/June 2023
10. Muhammad Hamza Farooqi, SafarNama-e-Iqbal, Iqbal Academy, Lahore, 1998, P. 180
11. Umm e Kulsoom was not only Egypt's but also the entire Arab world's renowned and beloved singer. She immortalized the poetic Arabic translation of *Shikwa* and *Jawab-e-Shikwa*, which had been rendered by the blind poet Sawi Ali Al-Sha'laan under the title *Hadeeth al-Rooh*, by singing it. Through Umm Kulsoom's voice, the Arab public was introduced to Iqbal for the first time. Due to the immense popularity of *Hadeeth al-Rooh*, the Government of Pakistan announced on 18 November 1967 that she would be awarded the Sitara-e-Imtiaz, and on 2 April 1968, in a special ceremony held in Egypt, Pakistan's Ambassador Sajad Haider presented her with the Sitara-e-Imtiaz.
12. Zahid Munir Aamir, Dr., Misr, Khawab aur Tabeer, P. 225
13. Muhammad Hamza Farooqi, SafarNama-e-Iqbal, P. 165
14. Zahid Munir Aamir, Dr., Misr, Khawab aur Tabeer, P. 118
15. Ghazi Ilmuddin, Professor, Meezan-e-Intiqad o Fikr, Misal Publishers, Faisalabad, 2021, P. 80
16. Jameel Jalibi, Dr., Duniya Mere Aagay, Sheikh Ghulam Ali & Sons, Lahore, 1984, P. 111
17. Zahid Munir Aamir, Dr., Misr, Khawab aur Tabeer, P. 101
18. Ibid, P. 214
19. A BBC report revealed that in the 1990s, the American political scientist Dianne Singerman was conducting research in Cairo on the topic of family politics. During her study, she discovered that the common problem for many people was saving money for a wedding: the cost of dowry and bridal gifts, funds for a separate home, all the household furnishings, as well as the expenses of the wedding day itself. These costs, she found, were as much as two-and-a-half times higher than the average annual expenses of an ordinary Egyptian family. Read the full report: https://www.bbc.com/urdu/world/2015/11/151101_adulthood_waithood_sq ba tareekh 11/December 2023
20. Zahid Munir Aamir, Dr., Misr, Khawab aur Tabeer, P. 155
21. Shibli Nomani, Safar Nama-e-Room-o-Misr-o-Shaam, Dar-ul-Musannifeen, Shibli Academy, Azamgarh, 2010, P. 168